عالم آپ کے والد ماجد کا تھا ۔حضرت شاہ لدھا بیان کرتے ہیں کہ ایک شب آنجناب قطب الاولیاء کے عرس کی مجلس میں تشریف فرما تھے مجھ سے کہا کہ دوات وقلم اور کاغذ لاؤ چنانچہ میں نے قلم و دوات اور کاغذ پیش خدمت کیا، اسی وقت بغیر تامل کے دو تین خوبصورت غزلیں اس کاغذ پر قلم مشکیں سے رقم کیں - (انیس المحققین صفحہ ۲۷ مخطوطہ نمبر ۲۱/۱۲۵ حبیب گنج کلکشن مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) ایک مرتبہ ایک امیر نے سلطان الاولیاء کو دعوت پر مدعو کیا، حضرت نے قلم اٹھایا اور فی البدیہہ ایک رباعی لکھی سے

ما زاہد روزہ دار چو خوار نیئم در گوشہ نشستہ رو بدیوار نیئم

چیزی کہ زحق رسد بصد شکر خوریم پرہیز چرا کنیم بیمار نیئم [1]

ایک مرتبہ حضرت سلطان الاولیاء بلگرام تشریف لائے، جمعہ کے روز محلہ میدان پورہ کی مسجد میں نماز ادا کرنے کے لئے آئے، حافظ سید ضیاء اللہ بلگرامی جو حضرت سید محمد کے شاگردوں میں تھے آپ سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے، چنانچہ یہ بیت اس موقع پر آنجناب کی نسبت سے پیش کی -

کالپی مکہ بلگرام یمن ؛ اے تو احمد منم اویس قرن

انیس المحققین ہی میں آزاد بلگرامی آپ کی کرامت سے متعلق ایک واقعہ نقل کرتے ہیں، ایک مرتبہ کہ جب حضرت سلطان الاولیاء آگرہ سے اجمیر شریف مرقد منورہ حضرت خواجہ چشتی علیہ الرحمۃ کی زیارت کے خیال سے وارد وارد ہوئے، آپ نے حسب معمول سماع و سرود کی محفلیں گرم کیں، ان دنوں عالمگیر کی جانب سے سرود کیلئے سخت ممانعت تھی، نقشبندیہ سلسلہ کے مشائخین میں سے کسی ایک نے جو سلطان کے مصاحبوں میں تھا، سلطان تک یہ خبر پہونچا دی، بادشاہ نے ایک شخص کو منع کرنے کے لئے روانہ کیا، اس شخص کے پہونچنے پر سلطان الاولیاء نے سرود موقوف کر دیا اور فرمایا کہ مجھے یہ قبول نہیں اور نعرہ لگایا وہ شخص بے ہوش ہو کر زمین پر گر گیا اور سلطان الاولیاء بدستور سماع و سرود میں مشغول ہو گئے، جب اسے غش سے افاقہ ہوا وہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور تمام سرگذشت اول تا آخر بیان کی، بادشاہ نے دوبارہ محمد امین خاں ایرانی کو تعین کیا، چنانچہ محمد امین خان نے مجلس سلطان الاولیاء کی جانب توجہ کی، پہلے شخص کی طرح یہ بھی سلطان الاولیاء کے نعرہ پر بیہوش ہو گئے - اور زمین پر

[1] انیس المحققین قلمی ذخیرہ حبیب گنج مسلم یونیورسٹی علی گڈھ شمارہ نمبر ۲۱/۱۲۵

تڑپنے لگے، اسی وقت یہ خبر بادشاہ تک پہونچی اور بعد افاقت جب محمد امین خاں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا بادشاہ مسکرایا اور پوچھا کہ تم نے سیّدوں کے کرامات دیکھے جواب دیا جی ہاں جہاں پناہ دیکھا، کرامتِ سیّد برحق ہے۔ بادشاہ دوبارہ مسکرایا اور اس نے محمد امین خاں کو سلطان الاولیاء کا معتقد بنالیا، اسی طرح کے اور بھی بہت سے واقعات مآثرالکرام اور انیس المحققین میں آزاد نے نقل کئے ہیں۔

میری نگاہ سے دیوان کاشفی کے دو نسخے گذرے ہیں، ایک رضا اسٹیٹ لائبریری رام پور میں اور دوسرا حبیب گنج کلکشن مسلم یونیورسٹی علی گڈھ میں، رام پور کے نسخہ میں صرف غزلیات ہیں جن کی تعداد ۲۳۸ ہے، حبیب گنج کلکشن کے نسخہ میں کاشفی کے قصائد بھی موجود ہیں اور غزلیات کی تعداد محض ۳۷ ہے، آزاد بلگرامی انیس المحققین میں ایک مقام پر لکھتے ہیں :-

"دیوان فارسی آنجناب از قصیدہ و غزل و رباعی مرتب است"

کاشفی کی رباعیات دونوں میں سے کسی نسخہ میں بھی نہیں ہیں، اس دیوان میں کئی اشعار ایسے ہیں جن سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ حضرت سلطان الاولیاء کی ہی تصنیف ہے۔ چند مقطعے ملاحظہ فرمائیے !

بود نامِ مرا احمد و در شیوۂ اشعار ÷ افتاد زحق کاشفی آخر لقبِ ما
در کالپی زہی زن گر نامِ کاشفی شد ÷ احمد ترا ازیں بہ دیگر لقب نباشد
باشد علم ما بجہاں سید احمد ÷ افتادہ ولے کاشفی از حق لقبِ ما

کاشفی اپنے والد ماجد قطب الاولیاء کے ہی مرید تھے جن کی طرف آپ نے اپنے ایک قصیدہ میں اشارہ بھی کیا ہے ؎ :

مرا نسبتے بس بسیّد محمّد ÷ کہ روشن شد ازوے ہمہ خاندانم
مرا گرچہ فرزند خوانند لیکن ÷ سگِ آستانم سگِ آستانم

شاعر کی انکساری کا ایک طرف یہ عالم ہے وہ کہتا ہے کہ شعر کہنا اسے بالکل نہیں آتا لیکن دوسری طرف کچھ ایسی خود اعتمادی ہے کہ وہ شعراءِ معاصرین میں خود کو سب سے بہتر بھی سمجھتا ہے ؎

سخن گرچہ گفتن ندانم ندانم ÷ ولے بہتر از شاعرانِ زمانم
اگر ہندیم رشکِ اہلِ عراقم ÷ اگر خاکیم نورِ نورانیانم

اور جب خود ستائی پر اتر پڑتا ہے تو اس کی زبان پر اس طرح کے اشعار بھی بے ساختہ آجاتے ہیں ؎

چو برق است طبعم چو ابر است کلکم   چو دُرّ است نظمم چو باد است زبانم
ضعیفم ولے ایستادہ بہ میداں   بگویم کہ من رستمِ داستانم
[1] بخواند جوہری یک شعر کشفی گر ز دیوانش   کند از دل نثارِ نظمِ او نظمِ لآلی را
ہر کسے حرف زند لیک بحق   کاشفی شعر تو خوش مضمون است

کاشفی کی زیادہ تر غزلیں رومانی ہیں شاعر کے لفظوں میں اس کا دل کتب خانۂ عشق کی صندوق ہے ایک شعر ملاحظہ فرمائیے ؎

جز نسخۂ اخلاص مجو کاشفی آخر ⁂ زیں سینہ کہ صندوق کتب خانۂ عشق است

لیکن تصوف اور فلسفہ کی بھی سحر کاریاں مختلف مقامات پر ہوئی ہیں، دیوان کی پہلی غزل کے چند اشعار دیکھئے ؎

از ہر طرف بگوشِ من آید ہمیں ندا ⁂ واللہ ہر آنچہ می نگری نیست جز خدا
اشکال مختلف کہ مشاہد ہمی شوند ⁂ یک ذات واحد است برنگِ جدا جدا
ہر لحظہ او بطرزِ دگر جلوہ می کند ⁂ گہ دل بنا رمی برد و گاہ از ادا

دیوان سے چند غزلیں یہاں نقل کی جاتی ہیں، انھیں نمائندہ تو نہیں کہا جا سکتا پھر بھی کوشش کی گئی ہے کہ قارئین ان کے آئینہ میں کاشفی کی غزل گوئی سے متعلق صحیح رائے قائم کر سکیں ؎

ہر کسے بادہ کش و طالبِ جام است اینجا   ہر کہ بسیار کشد مرد تمام است اینجا
ما ہمہ مقتدیاں روی زمے چوں نامم   کہ مغاں بر سرِ سجادہ امام است اینجا
سیری از شربت وصلو نگردد حاصل   کہ مرا ہر بن مو تشنہ چو کام است اینجا
فیض مخصوص بوقتے نبود در رہِ عشق   نیست در وقت سحر آنچہ بشام است اینجا

---

[1] یہ شعر رام پور والے نسخہ میں اس طرح ہے ؎

چو شعرِ کاشفی خواند کسے ہر طبع معنی رس   سزد سازد نثاری نظمِ او نظمِ لآلی را

عادتِ بادہ کشان است دگرگوں زاہد — زانکہ شوال بہ از ماہِ صیام است اینجا
ہر کہ گیسوئے ترا دید دریں دام افتاد — ما کہ باشیم کہ سیمرغ بدام است اینجا
کاشفی خواست کہ تا توبہ کند پیرِ مغاں
گفت خاموش زمئے توبہ حرام است اینجا

ساقیا جام لبالب زمئے ناب بیار — آفتابِ قدحش درشب مہتاب بیار
حسنِ جاناں کہ شدہ موسیٰ ازو پس مے تاب — دیدہ خواہی تو برو دیدۂ من تاب بیار
مطرب امشب زدف و چنگ و رباب دربط — بہرِ عیشِ دلِ من ایں ہمہ اسباب بیار
نیم بسمل برِ عشاق ز تیغ نگہ اند — تشنہ کانرا زمزہ خنجرِ ترآب بیار
سنگِ محراب دہد سختیِ دل اے زاہد — زود از ابروِ جانانہ تو محراب بیار
قصۂ عشق کہ لذت بمذاقم دارد — نزدِ من بہرِ خدا باز با طناب بیار
کاشفی خواند یک افسانہ ز وصلِ دلدار
تحفۂ خواب بایں دیدۂ بے خواب بیار

ما جرعہ کش ز ساغر و پیمانۂ خودیم — یعنی کہ ہست شیوۂ مستانۂ خودیم
ناآشنا بجا دو جانانہ گشتہ ایم — تا آشنا بمحرم و بیگانۂ خودیم
گہ گریہ می کنم و گہے خندہ می زنم — حیراں ازیں طبیعتِ طفلانۂ خودیم
با من مگو حکایتِ مجنوں کہ شام و صبح — حیرت زدہ ز قصہ و افسانۂ خودیم
اے کاشفی بکعبہ چرا رُو کنیم ما
محظوظ چوں بطوفِ صنم خانۂ خودیم

غیر از سماع و رقص مرا ہیچ کار نیست — معذور دار انکہ مرا اختیار نیست
در ہر چہ داشت جلوۂ جانانہ را صنم — مارا ز گفتگوی کساں ہیچ کار نیست
از بہر طعنہ ہر طرفم فوج فوج ہست — شخصے کہ حرف غم نشود در دیار نیست
تو از ہجوم جانے نتوانے قدم زدن — با عاشقاں مگو کہ کسے جاں سپار نیست
حرفے کہ اتفاق بزرگاں برویت ایں — جز دوست ہیچ کس بجہاں آشکار نیست
صد دل بہ بستہ بر سر فتراک می رسد — باری مرا کہ گفت کہ مردم شکار نیست

در کعبہ و کنشت بہر جا کہ می رود
در چشم کاشفی بخدا غیر یار نیست

غزلیات کے علاوہ کاشفی نے قصیدے بھی کہے ہیں جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، قصیدوں میں کاشفی کا اپنا جداگانہ رنگ ہے، زبان کی شیرینی اور لطافتِ الفاظ کی نشست و برخواست کاشفی کا حصہ نظر آتا ہے۔ کاشفی کے قصائد میں جیسی روانی اور موسیقی پائی جاتی ہے اور جتنے پیارے انداز سے حقائق کی ترجمانی کی گئی ہے وہ اس کی زبان دانی اور سحر بیانی کا ایک خوبصورت ترین نمونہ ہے۔ میرے خیال میں کاشفی نے غزلیں اتنی کامیابی کے ساتھ نہیں کہی ہیں جتنی کامیابی سے قصائد کہتے ہوئے نظر آتے ہیں، باری تعالیٰ کی حمد میں ان کے قصیدہ کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے: ؎

یا ازلی الکرم یا ابدی العطا — عنک زوال السقم منک وجود الشفا
بنظر قبلی الیک یفرح روحی لدیک — انت لنا مبدأ انت لنا منتہا
بینش اہل نظر دانش اہل ہنر — از اثر فضل تو یافتہ نور و ذکا
تا نکند تربیت حکمت تو در ازل — فکر فلاطوں کدام عقل ارسطو کجا
خاک در پاک تو سرمۂ اہل نظر — ای گل ولای رہت غازۂ اہل صفا
گر نہ بود یاد تو صیقل دلہای ما — دیدہ نیابد فروغ سینہ نیابد جلا
ایں ہمہ ظاہر ز ما از اثر فیض تست — ورنہ ریاضت کجا کشف و کرامت کجا

کس نبود پا برہ گر نبود فضلِ تو — راہبرِ انبیاء دست کشِ اولیاء
عشقِ تو در جانِ من شوقِ ترا دل وطن — بر تو فدا جان و تن نیست دگر مدعا
مسجد و بتخانہ نہ راکس نہ تمیزے نمود — ہست بیکساں ظہور دیدۂ خود برکشا
حسنِ ازل را ظہور ہست بہر جا مدام — ہاں دلِ بیدار کو دیدۂ بینا کجا
احمدِ مرسل کہ ہست باعثِ کون و مکاں — نقشِ نگینِ رسل تاجِ سرِ انبیاء
محرمِ اسرارِ غیب ضامنِ روزِ حسیب — سیدِ خیر البشر سرورِ صدر الوراء
صاحبِ آخر زماں پیش روِ سابقاں — راہبرِ انس و جاں علم دہِ ابتدا
فخرِ بنی آدم ست روحِ بنی ہاشم ست — زیب ہمہ عالم ست بر ہمہ را مقتدا
عیسیٰ ازو جاں طلب موسیٰ ازو دیدہ خواہ — خضر ازو آب جو آبِ رُخِ انبیاء
عالمِ امی لقب دادہ ہمہ را ادب — حرف نراندہ بلب صاحبِ تعلیمہا
گوہرِ تاجِ شہاں افسرِ پیغمبراں — سرورِ ہر دو جہاں صفدرِ روزِ وغا
نعتِ نبی جانِ من مدحتش ایمانِ من — ہست ہمیں مذہبم نیست دگر مدعا
گرچہ گنہ کردہ ام وز الم افسردہ ام — نامِ نبی بردہ ام کا بہ نبخشد خدا
نعتِ نبیؐ الورا مدحتِ اصحابِ او — راست نیاید زکس ختم کنم بردعا
تاکہ دریں عالم ست امرِ الٰہی رواں — تاکہ بود در جہاں دینِ پیمبر بپا

شاملِ حالِ دلم یادِ خدا یا مدام
لطفِ حبیبِ خدا مہرِ ہمہ اولیاء

کاشفی کا تعلق چشتیہ سلسلے سے تھا، اور موصوف کو خواجہ چشتی علیہ الرحمۃ سے بے پناہ عقیدت تھی۔ آپ زیارتِ مرقدِ منورہ کے لئے اجمیر شریف بھی تشریف لے گئے تھے، روضۂ خواجہ معین الدین چشتی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ عقائد کا دریا پھوٹ پڑا اور زبانِ مبارکہ اجمیر کا قصیدہ پڑھتی ہوئی نظر آئی، آزاد بلگرامی نے اجمیر پر موصوف کے قصیدہ کی تعریف کی ہے چند ابیات پیشِ خدمت ہیں ؎

اے خوشا شہر و سوادِ اجمیر ۔ کہ برد غم ہمہ یادِ اجمیر
نہ بہ لالہ بداغِ حسرت ۔ کہ بروید ز سوادِ اجمیر
رشکِ صد حور و ملائک باشد ۔ مردمِ نیک نہادِ اجمیر
گبر و پندار نہ گردد پیدا ۔ درد خیز است بلادِ اجمیر
شجرہ طیب و گلزارِ بہشت ۔ رفتہ از یاد زیادِ اجمیر
بخدا گاہ نہ گردد غمگین ۔ اے فلک خاطرِ شادِ اجمیر
کلکِ من زاں شدہ مقبول کہ کرد ۔ سرمہ در چشم زمدادِ اجمیر
جنگ با نفس و با شیطاں باشد ۔ ہست زیں گونہ جہادِ اجمیر
شکر صد شکر پذیرفت مرا ۔ خواجۂ نیک نہادِ اجمیر

کاشفی نے جیسا کہ صوفیہ کے شایانِ شان بھی تھا ہندی زبان میں بھی شاعری کی ہے۔ اشعار ہندوی کے نام سے کاشفی کے ہندی اشعار مسلم یونیورسٹی کے کتب خانہ میں موجود ہیں، اسے ایک مختصر سا رسالہ کہا جاسکتا ہے جو کہ شاعر نے راجہ مکرند کے پاس لکھ کر روانہ کیا تھا، اور جس سے یہ نسخہ نقل کیا گیا ہے، نسخہ کی ابتدا میں دو صفحوں کا ایک پیش لفظ بھی ہے جو غالباً کاتب نے لکھا ہے، یہ نسخہ فارسی رسم الخط میں ہے اور پیش لفظ فارسی زبان میں، کاتب نے اس رسالہ کو نقل کرنے کا مقصد بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ حق کی تلاش میں بھٹکنے والوں کے لئے مفید ثابت ہوگا۔ کاتب کی نگاہ میں یہ تصنیف جو کہ فارسی رسم الخط میں ہے اور ہندی زبان میں لکھی گئی ہے عربی کے خیالات کی ترجمانی کرتی ہے۔ اور اس کا یہ خیال درست بھی ہے، ہندی کے مشہور شاعر شاہ برکت اللہ پیمی مصنف پیم پرکاش کاشفی کے شاگرد تھے اور اس کا اعتراف خود پیمی نے کیا ہے۔ ؎

سِکھ مُکھ تا کو برسنے جا میں ھرِ کو رنگ
سو چھپ پائی جات ہے احمد محمد سنگ (۱۲۸)
پُورو سُورو پیم مگ ناگرو کے ہم داس
نگر کا لپی ٹھانوُے پوجُوت مَن کی آس (۱۲۹)

پیم پرکاش مرتبہ ڈاکٹر شاستری کاشفی ہندی میں آحمد تخلص کرتے تھے، موصوف کے چند ہندی دوھے بھی ملاحظہ فرمائیے۔ ع

کرنا کیرتِ کیجئے کیسے کو مَتِ سنوار
'لااحسی' سادھن کہو دیکھو منھ بچار

جو کچھُ بھئی بھلی بھئی بھلی بھلی ٹھہراو
آحمد آپنھ مانھ رہ ناکنھِ جاؤ نہ آو

جو رسنا سب روم ہوئی کیرتِ کری ندان
یہ رس لینھِ نہ کیسہوں آحمد تہجے جان

اگت کتھا کہئے کہا جاکے رنگ نہ روپ
تاکو نینن دیکھیے روپ سروپ انوپ

آپُن جا نرک روپ دھر رٹت رہت نت پیو
آپُن بوند سوانت ہوئی راکھت جن کو جیو

پاتی سب کو اولکھت چھانی لکھت نہ کوئی
باہاتی چھاتی لکھت پرکٹ پریم پد ہوئی

کرکانپے لیکھنِ ڈِگے انگ انگ اکلائے
سُدِھ آئے چھاتی پھٹے پاتی لکھی نہ جائے

رٹ لاگی رسنا یہی بھی جپت ہے پران
بیگ ملا وہو کنت کوں بدھنا موہ ندان

جب تیں بچھرے پران پت برہ دیت دکھ دند
چکھ مانو مدھ کر بھئے چاہت نت مکرند

دیارِ غرب کے مشاہدات و تاثرات

(۷)

از سعید احمد اکبر آبادی

یہاں تعلیم کا کیا اہتمام و انتظام اور اس کی عظمت و وقعت ہے اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ پورے کناڈا کی آبادی لے دے کے کل اٹھارہ ملیون ہے اور مونٹریل اس ملک کا دارالحکومت نہیں بلکہ صرف ایک شہر ہے جو خوبصورت اور آراستہ ہونے کے علاوہ صنعت و حرفت اور تجارت کا مرکز بھی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس شہر میں تین اور اس سے بالکل متصل ایک اور اس طرح چند میل کے رقبہ میں ہی چار یونیورسٹیاں ہیں، ان کا مختصر تعارف حسب ذیل ہے :-

مونٹریل یونیورسٹی لاول یونیورسٹی جس کا ذکر آگے آرہا ہے اُس کی ایک شاخ کی حیثیت سے اس کا آغاز ۱۸۷۶ء میں ہوا تھا مگر ترقی کرتے کرتے ۱۹۲۰ء میں یہ مستقل یونیورسٹی بن گئی، ہمارے ملک میں شاید یہ تعجب سے سنا جائے کہ امریکہ اور یورپ کی کم و بیش سب ہی یونیورسٹیوں کا مذہب سے بہت گہرا تعلق رہا ہے اور اس بنا پر یونیورسٹی کے اندرونی اور انتظامی معاملات میں، سب سے زیادہ مؤثر شخصیت پوپ کی رہی ہے۔ چنانچہ اس یونیورسٹی سے متعلق بھی ۱۹۱۹ء میں پوپ کا ایک خاص فرمان صادر ہوا جس میں اس یونیورسٹی کے لئے خاص قسم کی رعایتوں اور سہولتوں کے اعلان کے ساتھ اس بات کی صراحت بھی کی گئی تھی کہ اس یونیورسٹی کا نقطۂ نظر رومن کیتھولک ہوگا، اس یونیورسٹی میں ذریعۂ تعلیم فرنچ زبان ہے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کے ۳۳ کالج تو اس سے ملحق باقاعدہ ہیں ہی، ان کے علاوہ ۵۸ تعلیمی ادارے اور ہیں۔

جو اگرچہ باضابطہ ملحق نہیں ہیں مگر یونیورسٹی کے تسلیم شدہ ہیں، ان کالجوں اور اداروں کے علاوہ خاص یونیورسٹی کے رقبہ (CAMPUS) میں جو لڑکے اور لڑکیاں تعلیم پاتے ہیں ان کی تعداد پچیس ہزار ہے۔ صرف ایک برس یعنی ۱۹۶۱-۶۲ء میں اس کی آمدنی اکہتر لاکھ چون ہزار ایک سو اٹھاسی (71,54,188) ڈالر تھی اور یہ یاد رکھئے کہ کناڈا کا ایک ڈالر ہمارے ہاں کے کم و بیش ساڑھے چار روپئے کے برابر ہوتا ہے۔

سر جارج ولیمس یونیورسٹی ۱۸۷۳ء میں مونٹریل کے نوجوان عیسائیوں کی انجمن (Y.M.C.A.) نے بطورِ خود تعلیمی کام شروع کیا تھا، بڑھتے بڑھتے اس نے اتنی ترقی کی کہ ۱۹۲۹ء میں یونیورسٹی کی شکل اختیار کرلی، لیکن اس کی کلاسیں سب شام کو ہوتی تھیں، ۱۹۳۲ء سے آرٹس، سائنس اور کامرس کی کلاسیں باقاعدہ دن کے اوقات میں بھی ہونے لگیں، اس یونیورسٹی کی آمدنی ۱۹۶۱-۶۲ء میں دو لاکھ تین سو چھتر ہزار سات سو پچھتر ڈالر اور طلباء کی تعداد حسب ذیل تھی۔

	پورے وقت کے لئے	کچھ وقت کے لئے
لڑکے	۱٫۶۲۷	۳٫۲۸۰
لڑکیاں	۴۳۵	۱٫۲۲۴
	۲۰۶۲	۴٫۵۰۴

لاول (LAVAL) یونیورسٹی یہ یونیورسٹی ۱۸۵۲ء میں قائم ہوئی تھی، اس میں تعلیم، انتظام اور ڈسپلن ان میں سے ہر چیز کی نگرانی کیوبے (کناڈا کا ایک صوبہ) کے آرک بشپ کے ہاتھ میں ہے جو یونیورسٹی کا وزیٹر کہلاتا ہے، فلسفہ اور دینیات کے لئے اساتذہ کی نامزدگی وزیٹر ہی کرتا ہے، ان دونوں کے علاوہ آرٹس اور سائنس کے جتنے مضامین ہیں ان کے لئے چھوٹے بڑے اساتذہ کا تقرر یونیورسٹی کی کونسل کرتی ہے، ۱۹۶۱ء میں اس یونیورسٹی کی لائبریری میں پونے چار لاکھ کتابیں تھیں، اساتذہ کی تعداد ڈیڑھ ہزار اور طلبا و طالبات کی تعداد بیس ہزار کے قریب تھی،

مک گل یونیورسٹی یہ یونیورسٹی اپنے بانی کے نام سے منسوب ہے جو مونٹریل کا ایک نامی گرامی سوداگر تھا۔ ۱۸۱۳ء میں جب اس کا انتقال ہونے لگا تو اس نے چھیالیس ایکڑ زمین اور دس ہزار پونڈ (اول تو پونڈ

اور وہ بھی اب سے ڈیڑھ سو برس پہلے، حساب لگائیے آج کل کے نرخ سے کتنی رقم ہوئی) کی وصیت اس مقصد کے لئے کی کہ پہلے سے ایک تعلیمی ادارہ جو ROYAL INSTITUTION FOR THE ADVANCEMENT OF LEARNING کے نام سے چلا آرہا تھا اُس کو ترقی دے کر یونیورسٹی بنادیا جائے، چنانچہ اس سلسلہ میں ۱۸۲۱ء میں ایک فرمانِ شاہی صادر ہوا اور اُس کے بعد ۱۸۲۹ء سے تعلیم باقاعدہ یونیورسٹی کے پیمانہ پر شروع ہوگئی، آغازِ کار میں تعلیم مڈیسن اور آرٹس تک محدود تھی، لیکن زمانہ کے ساتھ ساتھ یہ بھی ترقی کرتی رہی اور اس میں قسم قسم کی فیکلٹیوں اور اُن کے لئے شاندار عمارتوں کا برابر اضافہ ہوتا رہا۔ ۱۹۰۷ء میں مکڈانلڈ کالج کے نام سے ایک رہائشی کالج زراعت کا قائم ہوا۔ ۱۹۴۵ء سے اس یونیورسٹی کی رفتار ترقی بہت تیز ہوگئی ہے۔ اور نتیجہ یہ ہے کہ آج وہ ایک عظیم الشان بین الاقوامی یونیورسٹی کی حیثیت سے قائم ہے جہاں دنیا بھر کے علوم و فنون کی تعلیم اور ان میں ریسرچ کا اعلیٰ سے اعلیٰ انتظام ہے، یہاں طلبا اور طالبات دونوں کی تعداد ملاکر بیس ہزار کے لگ بھگ ہوگی، اس یونیورسٹی میں ذریعۂ تعلیم انگریزی ہے اور ہمارا انسٹیٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز اسی یونیورسٹی سے متعلق اور اسی کا ایک شعبہ ہے، یہ حال تو صرف ایک شہر کا ہے، پورے ملک میں ۳۳ یونیورسٹیاں ہیں اور ان میں سے ۱۸ یونیورسٹیوں میں دینیات کی فیکلٹی اسی شان کے ساتھ قائم ہے جس شان کے ساتھ دوسری فیکلٹیاں ہیں، یونیورسٹی کا سالانہ بجٹ کتنا ہوتا ہے؟ اس وقت مجھے ٹھیک یاد نہیں لیکن یونیورسٹی میں اساتذہ اور طلبا کا باہمی تناسب کیا رہتا ہے اور ایک ایک مضمون کی تعلیم پر یونیورسٹی کس فیاضی سے خرچ کرتی ہے اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ہمارے انسٹیٹیوٹ میں (جو صرف پوسٹ گریجویٹ تعلیم کا بندوبست کرتا ہے) لے دے کے طلبا اور طالبات کی تعداد پچیس تیس سے زیادہ نہیں ہوگی، لیکن اس کے باوجود اساتذہ کی تعداد بشمول ڈائرکٹر دس ہے جن میں مذہباً چار مسیحی ہیں، پانچ مسلمان اور ایک بدھسٹ، اور وطنی اعتبار سے پانچ امریکن، ایک ترک، ایک انڈونیشی، ایک جاپانی، ایک مصری، اور ایک ہندوستانی۔ تنخواہوں کے گریڈ وہی ہیں جو تقریباً ہندوستان کی مرکزی یونیورسٹیوں میں ہیں، البتہ ڈالر اور روپیہ کا جو فرق ہے وہ ذہن میں رکھئے، ان دس حضرات کے علاوہ جو باقاعدہ ممبرانِ اسٹاف تھے اور جن کا کام